تأثرات

لاکمیشن

لا کمیشن کے تقرر پر پورے ملک میں بجا طور پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مختلف حلقوں نے اس کی ہیئتِ ترکیبی پر اعتراض بھی کیا ہے۔ قانونی حلقوں کو تو یہ شکایت ہے کہ اس میں وکلاء کو مناسب نمایندگی نہیں دی گئی، حالانکہ قانون و آئین کی زلفِ پریشاں کو سلجھانا انہیں کا کام ہے۔ اور علماء کا کہنا ہے کہ اس میں ملک کے اہم دینی گروہوں کے تناسب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ یہی نہیں اس میں بعض ایسے حضرات کو بھی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر شامل کر لیا گیا ہے کہ جو دستور کے بنیادی حصّے یعنی سنّت کو بطور اساس کے سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ہم فرقوں کے مخصوص تناسب اور کسی خاص شخص کے تقرر یا عدم تقرر کو زیادہ اہمیّت نہیں دیتے یہ مسئلہ محض ضمنی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک دوسرا اصول ہے جو زیادہ لائقِ اعتناء ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کر لیا جائے کہ لاکمیشن کی تشکیل کی غرض و غایت کیا ہے؟ کیا علمی سطح پر سنجیدگی سے کچھ کام کرنا مطلوب ہے اور یہ مقصود ہے کہ اسلامی فقہ کو معاشرے کے عصری تقاضوں کے مطابق از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ یا یہ منشاء ہے کہ مختلف الخیال گروہوں کے لئے بحث و مناظرہ کے دروازوں کو کھول دیا جائے، اور ان کی معرکہ آرائیوں کے لئے ایک تازہ میدانِ جدل و مجادلہ کی تلاش کیا جائے۔

اگر کمیشن فقہ اسلامی کی تشکیل جدید چاہتا ہے، اور اسلامی قانون کو موجودہ آب و ہوا کے مطابق مرتب کرنا اس کے مقاصد کا اہم ترین جُزء ہے تب یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ ادارہ سے یہ مقصد پورا ہونے والا نہیں۔ کیونکہ اس غرض کے لئے صرف وہ اصحابِ فکر و رائے موزوں ہو سکتے ہیں کہ جن کا فقہی و قانونی علم و تجربہ مانا ہوا ہو یعنی جن کا مطالعہ ایک طرف تو فقہیات کے باب میں ایسا ہو کہ وہ اعتماد کے ساتھ مسائل اسلامی پر گفتگو کر سکیں، اور دوسری طرف موجودہ قانون اور مخصوص اصلاحی تقاضوں سے بھی وہ بے خبر نہ ہوں۔
لیکن جن لوگوں کو لا کمیشن کی رکنیت کے لئے نامزد کیا گیا ہے افسوس ہے کہ ان میں دو بنیادی خامیاں ہیں۔
اس کے قانونی پہلو کا سقم یہ ہے کہ سوا بروہی صاحب کے اور کسی ماہر قانون کی خدمات کو غیر ضروری سمجھا گیا ہے حالانکہ اس میں ایک سے زائد ماہر قانون حضرات کی شرکت ضروری تھی۔ بلاشبہ بروہی صاحب کی

قابلیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر وہ تنہا اتنے بڑے کام کے لئے وقت کیونکر نکال سکیں گے؟ علمی و فقہی جانب اس کی یوں کمزور ہے کہ اس میں ایک بھی جامع اور اونچے درجے کا عالم شریک نہیں کیا گیا جس کی نظر فقہ و عصر حاضر کے بارہ میں وسیع ہو۔ مزید براں ان کے خیالات و افکار میں ایک طرح کی ہم آہنگی کا ہونا بھی لازمی ہے۔ ورنہ ہر شخص صرف اپنی ذات یا گروہ کی ترجمانی کے فرائض انجام دیگا اور وہ مشترکہ بنیادیں مہیا نہیں ہو پائیں گی کہ جن پر اسلامی فقہ کی تعمیر ممکن ہے۔

خیر اس کے باوجود ہم اس کمیشن کا خیر مقدم کرینگے اگر اس نے اتنا بڑا اہم کام انجام دیدیا اور اپنے فرض کی اہمیتوں کو کماحقہ محسوس کیا۔ انسانی کاموں میں کمزوریاں اور نقائص ہوتے ہی ہیں اس لئے اگر یہ کمیشن ہمہ صفت موصوف نہیں ہے تو بھی اس کو کام کرنے کا تو موقع دینا ہی چاہیئے۔ بلکہ اس سلسلہ میں اس کی عملی مدد بھی کرنا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ صرف لاکمیشن کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ پورے پاکستان کے اہل علم و رائے کا مسئلہ ہے۔ یہاں پہلی دفعہ اور صدیوں کے جمود کے بعد فقہ جدید کی ضرورتوں کو محسوس کیا گیا ہے۔ اور پہلی دفعہ ایک نئی قسم کی دینی زندگی کا آغاز ہونے والا ہے۔ اس تجربہ کی اصل نوعیت یہ ہے کہ تنہا اس اقدام کی کامیابی اور ناکامی پر ہماری عظیم ریاست کا مستقبل وابستہ ہے۔ اگر ہمارے ہاں لوگ دین و دنیا میں تطبیق دینے میں کامیاب ہوگئے اور زندگی کے قوانین کو اس ڈھب سے مرتب کر ڈالا، کہ جس سے دینی روح کے ساتھ ساتھ تقدم و ارتقاء کے دواعی کی بھی تکمیل ہوگئی ہو تو کیا کہنے۔ پھر گویا ہم نے وہ سب کچھ پالیا کہ جس کو پانے کے ہم مدتوں سے متمنی تھے اور خدانخواستہ اگر ایسا نہ ہوا اور یہ لمحے گوناگوں اختلافات کی نذر ہوگئے تو اس کا ایک ہی ہولناک نتیجہ ہوگا کہ وہ خطۂ پاک جس کو ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے، اور محض اس وجہ سے اس کے لئے قربانی و ایثار کی بے نظیر مثالیں قائم کی ہیں سیکولر سٹیٹ بن کر رہ جائے گا۔

اس کمیشن کی اہمیت جتانے میں اگر ہم نے غلطی نہیں کی، اور اگر یہ واقعہ ہے کہ اس مسئلہ کے نتائج پورے عالم اسلامی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ تو یہ مسئلہ تمام اہل فکر و رائے کا متفقہ مسئلہ بن جاتا ہے بلکہ اگر ہم مادیت کے اس دَور میں اسلامی نظام حیات قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ کہنا چاہیئے کہ اس سے افق انسانیت پر ایک نئی صبح صادق کے طلوع کے امکانات اُبھر آتے ہیں۔ اس صورت میں تو ضروری ہو جاتا ہے کہ سب اہل علم اس عظیم مقصد کے لئے قدم اُٹھائیں، اور تنہا کمیشن کو کامیابی یا ناکامی کا ذمہ دار نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کمیشن کی ناکامی صرف آٹھ نو افراد ہی کی ناکامی نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ پاکستان جس نظریہ کے تحت قائم ہوا تھا اور جن عزائم کو لے کر اُٹھا تھا ان کی تکمیل کا سامان مہیا نہیں کر سکا۔ اور اس سلسلہ میں کوئی تدبیر بروے کار نہیں

لائی جا سکی۔

پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکا؟ اس بارہ میں دو رائیں سوچنے والوں کے سامنے آئیں گی، کچھ لوگ تو یہ کہہ کر الگ ہو جائیں گے کہ کمیشن کے ارکان نے بالغ نظری سے کام نہیں لیا۔ ان کا انتخاب غیر موزوں تھا۔ ان میں اس اہم کام سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ یا اگر دور کی کوڑی لائیں گے تو کہیں گے کہ اس کی تشکیل ہی اس غرض سے کب ہوئی تھی کہ فی الحقیقت یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ یہ تو اربابِ اختیار کا ایک کھلا ہوا ڈھونگ تھا جو اس لئے رچایا گیا تھا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ اسلامی نظامِ حیات کی تعیین میں بے حد اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا ہے کہ بدرجۂ آخر انہیں قوانین کو اختیار کر لیا جائے جو ساری متمدن دنیا میں رائج ہیں۔

کچھ لوگ (جو پہلے ہی اسلامی تصورات سے حسنِ ظن نہیں رکھتے ہیں) اس سے آگے بڑھیں گے۔ اور کہیں گے کہ قصور کمیشن کا نہیں ہے خود مذہب کا ہے۔ سائنس اور ترقی کے اس عہد میں ان معیاروں اور پیمانوں سے کام نہیں چلے گا۔ جن کو آج سے سینکڑوں برس پیشتر مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت حالات اور نوعیت کے تھے اور موجودہ عصر کے تقاضے اور ہیں ـــــ غرض دونوں قسم کے حضرات جن خیالات کا اظہار کرینگے ان سے حد درجہ مایوسی پھیلے گی اور اس کا نتیجہ بہرحال ایک ہی نکلے گا کہ پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کے امکانات قریب قریب ختم ہو جائیں گے۔

بنابریں یہ سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ کمیشن کو جزوی نقائص کے باوجود کیونکر مؤثر اور کامیاب ادارہ میں بدلا جا سکتا ہے؟ اور کیونکر پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے تمام ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے کہ جو اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جن کی قابلیت مسلّم ہے، جن کے ذوقِ مطالعہ، وسعتِ نظر اور اسلام دوستی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس باب میں وہ اپنے علمی مشوروں اور مفید تجویزوں سے کمیشن کو وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں گے۔ ہماری رائے میں اس تجویز پر کمیشن اور دوسرے اربابِ علم و فکر کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ اور ایسے ذرائع تلاش کرنے میں قطعی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے کہ جن کی بدولت عالمِ اسلام کی تمام ممتاز اور نامور علمی شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اگر کمیشن ایسے حضرات کی ایک جامع فہرست مرتب کرلے، اور خط و کتابت یا مراسلت سے ان کی منظوری حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جائے تو بڑی حد تک اس کمی کی تلافی ہو جاتی ہے۔ جو کمیشن کی ہیئتِ ترکیبی سے متعلق ہے۔ اس کے بعد اگلا قدم صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ کمیشن اپنے لئے طریقِ کار مقرر کرے اور اللہ کا نام لے کر موجودہ معاشرہ کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا کام شروع کر دے۔ یہ فرض تو ظاہر ہے کمیشن کے

اربابِ اختیار کا ہے۔ کہ وہ تعاون باہمی کی اس فضاء کو پیدا کرے اور اس اہم دینی خدمت کو اپنے ارکان ہی تک محدود نہ رہنے دے، کہ یہ تنہا اس کے بس کا روگ نہیں۔

ایک گزارش خصوصیت سے ان علماء اور اہلِ فکر کی خدمت میں بھی پیش کرنا ہے: جو کمیشن میں کسی وجہ سے نہیں لئے گئے۔ ان کو اس طرزِ عمل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے، اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدانخواستہ ان کی علمی و دینی ذمہ داریاں ختم ہو گئی ہیں۔ بلکہ انہیں اس نازک مرحلہ میں کمیشن کی اسی گرمجوشی اور اخلاص سے مدد کرنا چاہیئے کہ گویا یہ کمیشن میں برابر کے شریک ہیں۔ اور کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ اقدام بہرنوع کامیاب ہو کر رہے۔ یہ حضرات اگر سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اور اپنے میں سے ایسے لوگوں کو چن لیں جو فقہ و قانون کی نزاکتوں کو سمجھتے ہیں تو یہ کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ بھی تعاون باہمی کا ایک نقشہ مرتب کریں۔ اور اس پر عمل کرنے کی ٹھان لیں۔

ہماری یہ مخلصانہ رائے ہے کہ اگر ایسی کوئی مجلسِ علماء منتخب ہو جاتی ہے اور یہ طے کر لیتی ہے کہ ہمیں قانون و فقہ کی گتھیوں کو مل جُل کر سلجھانا ہے تو کمیشن کے اربابِ اختیار بھی اس سے تعاون کرنے میں گریز نہیں کرینگے۔ ایسے حالات و ظروف نہایت آسانی سے پیدا ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے کہ جن سے تشکیل فقہ جدید کا کام باحسن وجہ تکمیل و اہتمام کی منزلوں تک پہنچ سکتا ہے، اور کوئی رکاوٹ اسلام کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ مگر کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے اور کمیشن کے اربابِ اختیار اور اہلِ علم حضرات اس تجویز کو جامۂ عمل پہنا بھی سکتے ہیں۔ ہماری آرزو کم از کم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تجربہ کو کامیاب فرمائے۔ اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کی ہمیں توفیق بخشے۔ آمین

محمد حنیف ندوی